حفیظ رضا پسروری

حضرت رائے پوری اور شاہ جی

حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری، بزرگان رائے پور کے پاکباز وارث تھے۔ آپ ولایت کے اعلیٰ درجہ پر فائز تھے۔ اور برصغیر کے بیشتر علماء حق انکے دست حق پرست پر بیعت تھے۔ جن میں حضرت امیر شریعت۔ شیخ حسام الدین۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی۔ مولانا محمد علی جالندھری۔ مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی۔ مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی۔ مولانا عزیز الرحمن لدھیانوی ایسے اکابر شامل تھے۔ حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ روحانی منزلت اور مقام کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے۔ کہ بزرگان دیوبند بالخصوص حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی۔ حضرت قاری محمد طیب۔ بزرگان سہارنپور۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا۔ حضرت مولانا خلیل احمد۔ بزرگان جمیعت۔ مولانا حفظ الرحمن سیوھاروی اور مولانا عتیق الرحمن۔۔۔ اجتماعی طور پر حضرت شاہ عبدالقادر کے عقیدت مند تھے۔ اور اپنی دینی و سیاسی جدوجہد میں انہیں اپنا سرپرست تسلیم کرتے تھے۔ فی الحقیقت حضرت شاہ عبدالقادر کاروان علماء حق کی جدوجہد حریت کے امام تھے۔ اور تمام بزرگوں کو اپنے قیمتی مشوروں اور دعاؤں سے نوازا کرتے تھے۔

گو حضرت امیر شریعت۔ حضرت رائے پوری کے مرید تھے۔ مگر حضرت رائے پوری انکو بڑا اہم مقام دیتے تھے۔ اور امیر شریعت کے ساتھ انہیں خصوصی محبت اور لگاؤ تھا۔ حضرت امیر شریعت فرمایا کرتے تھے۔ کہ جدوجہد آزادی میں کئی ایسے مشکل مقام آئے جہاں زندگی اور موت میں بہت تھوڑا فاصلہ رہ جاتا تھا۔ مگر حضرت رائے پوری کی خاص روحانی توجہ سے وہ مرحلے بآسانی طے ہو جاتے۔ شاہ صاحب کو جب کبھی فرصت ملتی تو وہ حضرت کی خدمت میں رائے پور تشریف لے جاتے۔ اور انکے فیضان نظر سے مستفید ہوتے رہتے۔

جب ۱۹۶۰ء میں حضرت رائے پوری بیماری کی حالت میں بغرض علاج لاہور تشریف لائے۔ تو شاہ جی بھی ملتان سے لاہور پہنچ گئے۔ اور شب و روز حضرت رائے پوری کی خدمت میں رہنے لگے۔ حضرت رائے پوری اکثر انہیں دعا کے لئے کہتے اور شاہ جی نظریں جھکا لیتے۔ میں ان دنوں لائل پور تعینات تھا۔ ایکدن قاضی جی (قاضی احسان احمد شجاع آبادی) بھاگے بھاگے آئے۔ فرمانے لگے۔ لاہور چلنا ہے۔ حضرت رائے پوری کی حالت تشویشناک ہے۔ ہم بذریعہ کار لاہور پہنچے۔ حضرت کا قیام ڈیوس روڈ کے قریب اپنے ایک عقیدت مند حاجی عبدالمتین کے ہاں تھا۔ ہم وہاں پہنچے۔ حضرت چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے۔ اور مشتاقان دید کا ہجوم ارد گرد موجود تھا۔ اندر ایک کمرے میں شاہ جی اور شیخ حسام الدین بیٹھے گفتگو کر رہے تھے۔ ساتھ کے کمروں میں آغا شورش کاشمیری۔ ماسٹر تاج الدین۔ جناب عبدالوحید وزیر مغربی پاکستان۔ سابق جنرل حق نواز۔ مولانا احتشام الحق تھانوی۔ مولانا عبیداللہ انور۔ مولانا غلام غوث ہزاروی۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی۔ مولانا عزیزالرحمن لدھیانوی اور دہلی سے آئے ہوئے کچھ اور بزرگ بیٹھے ہوئے تھے۔

میں باہر صحن میں بیٹھا تھا۔ اور حضرت رائے پوری بستر علالت پر تھے۔ سب لوگ بارگاہ رب العزت میں حضرت کی صحت کے لئے دعا کر رہے تھے۔ حضرت نے آنکھیں بند کر رکھی تھیں۔ میں نے ایک بار یہ شعر پڑھا:

جواجہ من نگہدار آبروئے گدائے خویش

میری حیرانی کی حد نہ رہی۔ کہ حضرت نے آنکھیں کھول کر میری طرف مختصراً دیکھا۔ اور پھر محو استراحت ہو گئے۔ قاضی جی نے دیکھا تو حیران ہوئے۔ مجھ سے پوچھنے لگے۔ میں نے عرض کیا کہ یہ شعر پڑھا تھا۔ فرمانے لگے کہ یہ حضرت کا روحانی تصرف تھا۔ اب نہ پڑھنا۔ حضرت کو آرام کی ضرورت ہے۔ پھر میں اور قاضی صاحب۔ اندر شاہ جی کی خدمت میں جا بیٹھے۔ شاہ جی حضرت سے اپنے تعلق کے واقعات سنا رہے تھے۔ فرمانے لگے:

آزادی برصغیر اور تحریک ختم نبوت کی مسلسل جدوجہد کے دوران انہوں نے محسوس کیا کہ جب وہ رات پچھلے پہر تہجد کے لئے اٹھتے ہیں۔ یا اٹھنا چاہتے ہیں۔ تو اکثر نیند کا غلبہ ہو جاتا تھا۔ وہ اس سے ازحد پریشان تھے۔ انبالہ کی ایک ملاقات میں انہوں نے اپنی اس مشکل کا تذکرہ حضرت رائے پوری سے کیا تو انہوں نے پڑھنے کے لئے ایک وظیفہ بتادیا۔ شاہ جی نے پڑھا۔ تو اس کے بعد یہ کیفیت ہو گئی۔ کہ نیند بالکل غائب ہو گئی۔ اور اشد ضرورت کے وقت بھی نیند نہ آتی تھی۔ رات گئے تقریر کے بعد جب قیام گاہ پر آتا۔ تو بقیہ وقت کروٹیں بدل بدل کر گزر جاتا۔ مگر تہجد ضرور ادا ہو جاتی۔ اس سے ازحد پریشانی رہی۔ کچھ دوائیاں بھی استعمال کیں۔ مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ جماعتی کاموں میں بے پناہ مصروفیت کے سبب حضرت رائے پوری سے جلد ملاقات نہ ہو سکی۔ آخر دو ماہ بعد سہارنپور میں ملاقات ہوئی۔ تو میں نے اپنی اس مشکل کا ذکر کیا۔ فرمانے لگے کہ مجھے بھی اس کا بے حد فکر رہا۔ آپ (شاہ جی) کے اصرار پر وظیفہ بتادیا تھا۔ ورنہ اس کی ضرورت نہ تھی۔ حقیقتاً آپ کی جدوجہد اور تقریر ہی عبادت کا ایک ایسا ذریعہ ہیں۔ کہ کسی نفلی عبادت کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ آپ کی تقریر ہی عبادات نفلیہ کی ضرورت پوری کر دیتی ہے۔ میرا مشورہ ہے۔ آپ تقریر کے بعد نماز فجر تک آرام کیا کریں۔ اس کے بعد نیند کی حالت معمول کے مطابق ہو گئی۔ میں سو بھی لیتا تھا۔ تہجد بھی ادا کر لیتا تھا۔ اور پھر بروقت نماز فجر کے لئے تیار بھی ہو جاتا تھا۔ تھکاوٹ یا نیند کی کمی کا پھر کبھی احساس نہ ہوا۔

فرمایا۔۔۔ کرپس مشن کے زمانے (۱۹۴۶ء) میں ہم سب دہلی میں مقیم تھے۔ حضرت رائے پوری وہاں تشریف لائے تو میرے ہاں، میر مشتاق احمد کے گھر پر بھی گئے۔ ہم علیحدگی میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ میں نے کہا۔ حضرت! اب بہت تھک گیا ہوں۔ آپ کیوں دعا نہیں کرتے۔ کہ انگریز ہندوستان سے چلا جائے۔

فرمانے لگے۔ کہ میں دعا کیوں نہیں کرتا۔ لو آج! تمہارے سامنے دعا کرتا ہوں۔ حضرت نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور دعا میں مستغرق ہو گئے۔ عجیب و غریب روحانی کیفیت و انداز تھا۔ فارغ ہوئے تو فرمانے لگے۔ عطاء اللہ! اب چند دنوں کی بات رہ گئی ہے۔ تمہاری جدوجہد کامیاب ہو گی۔

یہ واقعہ ہے کہ چند دنوں کے بعد لارڈ ویول نے برصغیر کی آزادی کا پروگرام دے دیا۔

حضرت رائے پوری لاہور کے اسی قیام کے دوران انتقال فرما گئے۔ بھارت سے تقاضہ تھا کہ آپ کو رائے پور دفن کیا جائے۔ مگر احباب کی اکثریتی فیصلے سے حضرت رائے پوری کو موضع جھاوریاں (سرگودھا) میں انکے

آبائی قبرستان میں دفن کیا گیا۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

اب کہاں دنیا میں ایسی ہستیاں

لاہور میں حضرت رائے پوری کی نماز جنازہ ادا ہوئی۔ تو انسانوں کا ایک جم غفیر اس میں شریک تھا۔ پھر خالصہ کالج فیصل آباد کی گراؤنڈ میں لاکھوں فرزندان توحید نے انکی نماز جنازہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی اقتدا میں ادا کی اور حضرت کے جسد خاکی کو جھاوریاں (سرگودھا) لے جایا گیا۔ جہاں ہزاروں مسلمانوں نے نماز جنازہ پڑھنے کے بعد اس آفتاب روحانیت، علماء حق کے سرپرست امام الاولیاء اور صدر مجلس پیشہ وران حریت کو سپرد خاک کر دیا۔ (مجھے جھاوریاں تک جانے کی سعادت حاصل رہی)۔ آپ کی وفات کے بعد۔ آپ کے وابستگان طریقت خصوصاً امیر شریعت، شیخ حسام الدین، مولانا عزیز الرحمن لدھیانوی اور قاضی احسان احمد شجاعبادی از حد مغموم رہنے لگے۔ اور پھر تھوڑے ہی عرصہ کے بعد یہ لوگ بھی اپنے اللہ کے پاس چلے گئے۔

کہاں گیاہ وہ رنگ محفل کہاں گئے وہ لوگ
جن کی خاطر ہم ایسوں کے دل کو لگ گئے روگ

یہ تمام بزرگ مسلمانان برصغیر کے لئے اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت اور انعام تھے۔ ان کے بعد ان کا کوئی بدل پیدا نہ ہو سکا۔ اور نہ مل سکا۔ افسوس! ہماری موجودہ سوسائٹی اور تاریخ ان بزرگان سلف کے تذکرہ سے خالی ہے۔ اور کوئی امید نہیں کہ ان کا تذکرہ کیا جائے۔ جس قوم اور سوسائٹی کے مورخ مادی تقاضوں کا شکار ہو کر اپنے قلم کا سودا کر لیں۔ تاریخ اور تاریخ ساز شخصیات کا دیانتدارانہ ریکارڈ اگلی نسل تک نہ پہنچائیں۔ وہ ایک ایسے جرم کا ارتکاب کر جاتے ہیں اور کر رہے ہیں۔ جسے مستقبل کا مورخ کبھی معاف نہیں کرے گا۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

آئے قرار کیسے دلِ بے قرار کو؟

شکوہ ہے تیری موت پہ لیل و نہار کو
آنکھیں ترس گئی ہیں خزاں کی بہار کو
تارے غم فراق میں شب بھر نہ سو سکے

اٹھ اٹھ کے دیکھتے ہیں تری رہگزار کو
تیرا سا بانکپن ہے نہ تیرا سا سوز دل
آئے قرار کیسے دل بے قرار کو

(جانباز مرزا)